Policy Research Journal
ISSN (E): 3006-7030 ISSN (P) : 3006-7022 Volume 4, Issue 3, 2026

شادی میں تاخیر کے باعث نوجوانوں کے نفسیاتی مسائل: مقاصدِ شریعت کی روشنی میں ایک اطلاقی جائزہ

Qari Muhammad Zahid Salfi[*1], Muzammil Nawaz[2], Dr. Wajid Ali[3]

[*1,2]M.Phil. Scholar, Department of Islamic Studies, The Superior University Lahore, Pakistan
[3]Assistant Professor, Department of Islamic Studies, The Superior University Lahore, Pakistan

[*1]mzahid32gb@gmail.com, [2]malikmuzammilnawazkohawar@gmail.com, [3]wajidasadi@gmail.com

DOI: http://doi.org/10.5281/zenodo.21715440

Keywords
Delayed Marriage, Maqasid al-Shari'ah, Psychological Crises, Youth Mental Health, Islamic Family System, Hifz al-Nafs.

Article History
Received: 05 January 2026
Accepted: 18 February 2026
Published: 04 March 2026

Copyright @Author

Corresponding Author: *
Qari Muhammad Zahid Salfi

Abstract

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ

"And of His signs is that He created for you from yourselves mates that you may find tranquility in them; and He placed between you affection and mercy. Indeed, in that are signs for a people who give thought.[1] ".

Marriage serves as a profound spiritual sanctuary in the Islamic tradition. It is deeply rooted in human nature, designed to protect human dignity, ensure moral purity, and maintain psychological equilibrium. The Prophet Muhammad (ﷺ) repeatedly emphasized timely marriage as a vital shield for the youth. Today, the reality is entirely different. Shifting socio-economic paradigms, the relentless pursuit of material perfection, and rigid cultural traditions have severely delayed this natural union across Muslim societies. This research explores the deep psychological and moral crises emerging among young men and women due to such delayed marriages. The phenomenon is analyzed strictly through the framework of Maqasid al-Shari'ah. Taking a qualitative and analytical approach, the study investigates how economic anxieties, extended educational periods, and the heavy burden of dowry obstruct timely marital unions. A direct command exists in the divine text addressing this exact societal fear:

وَ أَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ

"And marry the unmarried among you and the righteous among your male slaves and female slaves. If they should be poor, Allah will enrich them from His bounty.[2] ".

Ignoring this divine guarantee plunges the youth into profound loneliness, clinical depression, and moral vulnerability. The findings clearly indicate that delaying marriage contradicts the fundamental Shari'ah objectives of Hifz al-Nafs (preservation of the intellect and soul), Hifz al-Nasl (preservation of lineage), and Hifz al-Din (preservation of religion). Reversing this destructive trend requires dismantling artificial social barriers. Returning to the prophetic model of simplicity and prioritizing spiritual contentment over

material accumulation remains the only sustainable path to restoring the psychological health of the younger generation

تعارف

انسانی معاشرے کا وجود اور اس کا متوازن ارتقا ایک مضبوط اور صحت مند خاندانی نظام پر استوار ہے۔ قدرتِ خداوندی نے انسان کی جسمانی، جذباتی اور نفسیاتی بقا کے لیے نکاح کو ایک ایسا محفوظ اور مقدس قلعہ بنایا ہے جو طبعی تقاضوں کی پاکیزہ تسکین کا ضامن ہے۔ قرآنِ مجید نے اس رشتے کو محض ایک تمدنی معاہدہ قرار دینے کے بجائے اسے انسان کے باطنی سکون کا سرچشمہ بتایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ

"اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو، اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔ بیشک اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔"[3]

اس اصول کے برخلاف، موجودہ دور کے سماجی اور معاشی تغیرات نے انسانی طرزِ زندگی کو ایک ایسی مصنوعی اور مادی دوڑ میں الجھا دیا ہے جہاں فطری تقاضے ثانوی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ صنعتی انقلاب، عالمگیریت اور سرمایہ دارانہ سوچ کے غلبے نے خاندانی اقدار کو شدید متاثر کیا ہے۔ اس صورتحال میں جو سب سے تشویش ناک رجحان سامنے آیا ہے، وہ نوجوانوں کی شادیوں میں غیر معمولی اور غیر فطری تاخیر ہے۔ ماضی میں جہاں بلوغت کے فوراً بعد ازدواجی زندگی کا آغاز ایک معمول کی بات تھی، آج مختلف معاشی، تعلیمی اور فرسودہ ثقافتی موانع کے باعث نکاح کی اوسط عمر تیسری دہائی کے وسط تک پہنچ چکی ہے۔

یہ طویل عبوری دور نوجوانوں کی نفسیات پر گہرے اور تباہ کن اثرات مرتب کر رہا ہے۔ انسانی جبلت جب اپنے عروج پر ہوتی ہے اور اسے حلال و پاکیزہ راستہ میسر نہیں آتا، تو نوجوان شدید ذہنی دباؤ، احساسِ تنہائی، اور مایوسی کے عمیق گڑھے میں گرتے چلے جاتے ہیں۔ شریعتِ اسلامیہ کے جلیل القدر مقاصد (مقاصدِ شریعت) انسانی جان، عقل، اور نسل کے تحفظ کا تقاضا کرتے ہیں۔ شادی میں تاخیر کا یہ رجحان ان مقاصد کی تکمیل میں ایک بڑی رکاوٹ بن کر ابھرا ہے، جو نوجوان نسل کو اخلاقی اور اعصابی شکست وریخت کی طرف دھکیل رہا ہے۔

شادی میں تاخیر

کسی بھی معاشرتی الجھن کے علمی تجزیے کے لیے اس کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم کا فہم ضروری ہے۔ عربی لغت میں "تاخیر" کا مادہ (أ-خ-ر) ہے، جس کا معنی کسی چیز کو اس کے مقررہ، فطری یا مناسب وقت سے پیچھے ہٹا دینا ہے۔ علامہ ابن منظور افریقی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ تاخیر دراصل تقدیم (جلدی کرنے یا آگے بڑھانے) کی ضد ہے[4]۔

عمرانیات اور سماجی علوم کی اصطلاح میں شادی میں تاخیر سے مراد وہ کیفیت ہے جب ایک بالغ مرد یا عورت جسمانی، ذہنی اور حیاتیاتی طور پر ازدواجی ذمہ داریاں اٹھانے کے قابل ہو جائیں، لیکن مختلف خارجی اور داخلی اسباب کے تحت ان کا نکاح ایک طویل عرصے تک التواء کا شکار رہے۔ روایتی مشرقی معاشروں میں خاندانی اجتماعیت کو فوقیت حاصل تھی، جہاں معاشی کفالت کی ذمہ داری پورے خاندان پر عائد ہوتی تھی اور نوجوانوں کی جلد شادی کو معاشی بوجھ نہیں سمجھا جاتا تھا۔ مغربی افکار کی یلغار اور صارفیت کے فروغ نے اس نظام کو انفرادی خاندانی اکائیوں میں تبدیل کر دیا۔

دورِ حاضر کا معاشرہ جس طرح فطرت کے مسلمہ اصولوں سے بغاوت کر رہا ہے، اس پر علامہ محمد اقبال کا یہ شعر پوری طرح صادق آتا ہے:

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائیدار ہوگا[5]

طبی اور حیاتیاتی نقطہ نظر سے بیس سے پچیس سال کی عمر ازدواجی زندگی اور تولیدی صحت کے لیے موزوں ترین سمجھی جاتی ہے۔ جب شادی اس عمر سے تجاوز کر کے پینتیس سال کے قریب پہنچتی ہے، تو نوجوانوں کی نفسیاتی قوتِ مدافعت جواب دینے لگتی ہے۔ انہیں ایک ایسے سماجی دباؤ کا سامنا کرنا پڑتا ہے جہاں وہ خود کو ایک ناکام اور ادھورا انسان تصور کرنے لگتے ہیں۔ یہ عمرانی تغیر خاندانی نظام کی بنیادوں کو کمزور کر رہا ہے۔

مقاصدِ شریعت اور اسلامی خاندانی نظام کا باہمی ربط

اسلامی قانون سازی کا بنیادی ڈھانچہ بندوں کے دنیاوی اور اخروی مصالح کے تحفظ پر کھڑا ہے۔ اصولِ فقہ کے مایہ ناز امام، ابو اسحاق الشاطبی تحریر کرتے ہیں کہ شریعت کا اولین اور آخری ہدف انسانی زندگی سے فساد کا ازالہ اور نفع و سلامتی کو پروان بڑھانا ہے[6]۔ علمائے اصول نے ان مصالح کو پانچ بنیادی ارکان میں تقسیم کیا ہے، جنہیں 'ضروریاتِ خمسہ' کہا جاتا ہے: حفظِ دین، حفظِ نفس، حفظِ عقل، حفظِ نسل اور حفظِ مال۔

اسلامی خاندانی نظام اور نکاح ان پانچوں مقاصد کے عملی تحفظ کا سب سے بڑا اور مؤثر ذریعہ ہے۔ دین کی حفاظت کا مقصد بندے کو معصیت سے بچا کر اطاعتِ الٰہی پر قائم رکھنا ہے۔ جوانی کے دور میں شہوانی تقاضے انسان کے ایمان پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ نکاح اس طوفانی جبلت کو حلال دائرے میں لا کر انسان کے دینی تشخص کی حفاظت کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمانِ مبارک ہے:

يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ، مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ

"اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو بھی نکاح کی استطاعت رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ نکاح کر لے، کیونکہ یہ نگاہ کو نیچا رکھنے والا اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے۔ اور جو اس کی استطاعت نہ رکھے، وہ روزے رکھے کیونکہ یہ اس کے لیے ڈھال ہے۔"[7]

اس کے ساتھ ہی حفظِ نفس اور حفظِ عقل کا تقاضا ہے کہ انسان کو ذہنی تناؤ، اضطراب اور نفسیاتی کشمکش سے محفوظ رکھا جائے۔ مسلسل جنسی دباؤ اور تنہائی کا احساس انسانی عقل کو مفلوج کر دیتا ہے۔ نکاح انسان کو ایک مخلص رفیقِ حیات مہیا کرتا ہے، جس کی بدولت وہ اپنے ذہنی تناؤ کو کم کر کے پرسکون زندگی کی طرف لوٹتا ہے۔ امام ابو حامد الغزالی نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف میں اس بات کی گواہی دی ہے کہ نکاح شہوت کو توڑنے، عقل کو فکری انتشار سے بچانے اور انسان کو شیطان کے ہتھکنڈوں سے محفوظ رکھنے کا سب سے بڑا قلعہ ہے[8]۔ نسلِ انسانی کا تسلسل اور نسب کی پاکیزگی (حفظِ نسل) بھی صرف ایک مستحکم خاندانی نظام ہی کے ذریعے ممکن ہے۔

عصرِ حاضر میں تاخیرِ نکاح کے بنیادی محرکات واسباب

دورِ حاضر کے مادی اور سرمایہ دارانہ نظام نے انسانی سوچ اور سماجی ترجیحات کا قبلہ مکمل طور پر تبدیل کر دیا ہے۔ شادی جیسے فطری عمل میں تاخیر کوئی حادثاتی امر نہیں ہے، بلکہ یہ ایک پیچیدہ معاشی اور تعلیمی نظام کا شاخسانہ ہے۔

سب سے بڑی اور سنگین رکاوٹ معاشی عدمِ استحکام اور روزگار کا حصول ہے۔ موجودہ معاشرے نے نکاح کے لیے مالی استطاعت کے معیار کو غیر حقیقت پسندانہ حد تک بلند کر دیا ہے۔ ایک نوجوان سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ شادی سے قبل ایک شاندار کیریئر، ذاتی مکان، گاڑی

اور بھاری بینک بیلنس کا مالک ہو۔ اس مادی دوڑ میں نوجوانوں کی عمر کا بہترین حصہ گزر جاتا ہے۔ بے روزگاری کی بلند شرح اور ملازمت کے حصول کی طویل جدوجہد انہیں شدید احساسِ کمتری میں مبتلا کر دیتی ہے۔ شریعتِ اسلامیہ کا تصورِ معیشت اس سوچ کے بالکل برعکس ہے۔ قرآنِ مجید نے مالی خوف کی بنیاد پر شادی سے گریز کرنے والوں کو منشائے الٰہی کے تحت رزق کی فراہمی کی یقین دہانی کرائی ہے:

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ

"اور تم میں سے جو مرد عورتیں بے نکاح ہوں، اور تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو نیک ہوں، ان کے نکاح کر دو۔ اگر وہ محتاج ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا۔"[9]

مفسرِ اعظم حافظ عماد الدین ابن کثیر اس آیت کی تشریح میں رقمطراز ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نکاح کرنے والوں سے غنا اور تونگری کا واضح وعدہ فرمایا ہے، اور فقر و تنگی کو نکاح کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیے[10]۔

اعلیٰ تعلیم کا طویل دورانیہ بھی اس تاخیر کا ایک بنیادی سبب بن چکا ہے۔ جدید تعلیمی ڈھانچہ کچھ اس طرح وضع کیا گیا ہے کہ ماسٹرز، ایم فل یا پی ایچ ڈی کی تکمیل تک ایک طالب علم کی عمر اٹھائیس یا تیس سال تک پہنچ جاتی ہے۔ کیریئر کی تعمیر اور تعلیمی مسابقت نے نوجوانوں کو ایک ایسے مخمصے میں ڈال دیا ہے جہاں وہ خاندانی زندگی کو اپنے مقاصد کی راہ میں رکاوٹ سمجھنے لگتے ہیں۔ مشہور ماہرِ نفسیات ایرک ایرکسن نے انسانی زندگی کے اس دورِ شباب کے حوالے سے ایک انتہائی عمیق تجزیہ پیش کیا ہے:

"The young adult must develop intimate relationships or suffer feelings of isolation".

"نوجوان کو قریبی اور گہرے (جذباتی) تعلقات استوار کرنے چاہئیں، بصورت دیگر وہ شدید تنہائی کے احساس کا شکار ہو جاتا ہے۔"[11]

مادی فوائد اور صارفی ثقافت نے رشتوں کے انتخاب کے معیار کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ والدین اپنے بچوں کے لیے ایسے مثالی شریکِ حیات کی تلاش میں رہتے ہیں جو ظاہری حسن، بے پناہ دولت اور اعلیٰ سماجی رتبے کا حامل ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس مادی ہوس کا راستہ روکتے ہوئے کردار اور دین داری کو حتمی معیار قرار دیا تھا:

تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ: لِمَالِهَا، وَلِحَسَبِهَا، وَلِجَمَالِهَا، وَلِدِينِهَا، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ

"عورت سے نکاح چار چیزوں کی بنیاد پر کیا جاتا ہے: اس کے مال کی وجہ سے، اس کے خاندانی شرف کی وجہ سے، اس کے حسن کی وجہ سے، اور اس کے دین کی وجہ سے۔ پس تو دین دار عورت کو حاصل کرنے کی کوشش کر، تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں (یعنی تجھے خیر و برکت حاصل ہو)۔"[12]

آج کے معاشرے نے اس نبوی اصول کو نظر انداز کر کے مادی تمناؤں کے جو پہاڑ کھڑے کیے ہیں، انہوں نے نوجوانوں کی زندگیوں سے سکون چھین لیا ہے۔ اس لاحاصل انتظار اور تمناؤں کے مستقل دکھ کی منظر کشی مرزا اسد اللہ خان غالب کے اس شعر میں بخوبی نظر آتی ہے:

غمِ ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہوتے تک[13]

نوجوان اپنے فطری تقاضوں اور معاشرے کی مسلط کردہ کڑی شرائط کے درمیان پستے چلے جا رہے ہیں، جس کا منطقی نتیجہ ان کی باطنی شکستگی اور شدید اعصابی تھکاوٹ کی صورت میں برآمد ہو رہا ہے۔

غیر فطری تاخیر کے نوجوانوں پر مرتب ہونے والے نفسیاتی اثرات

انسانی جبلت کی ساخت میں گوشت پوست کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ باطنی اور جذباتی تسکین کی پیاس نہایت گہرائی میں پیوست ہے۔ جوانی کا دور حسی، جذباتی اور حیاتیاتی ہیجان کا نقطۂ عروج ہوتا ہے، جہاں انسان کو ایک ایسے مونس و غمخوار کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو اس کے باطنی کرب کو سمجھ سکے۔ جب مروجہ سماجی و معاشی معیارات کے تحت شادی کو ایک طویل عرصے تک مؤخر کر دیا جاتا ہے، تو نوجوان ایک ایسے جذباتی خلا میں گر جاتے ہیں جو رفتہ رفتہ سنگین اعصابی اور نفسیاتی امراض کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

شریعتِ مطہرہ نے اس قربت اور یکجان ہونے کی کیفیت کو نہایت خوبصورت اور بلیغ استعارے میں بیان فرمایا ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ

"وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔"[14]

لباس انسان کے ظاہری عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہے اور اسے سرد و گرم حوادث سے محفوظ رکھتا ہے۔ شریکِ حیات کی عدم موجودگی میں نوجوانوں کا باطن ہر وقت تنہائی کی سرد ہواؤں کی زد میں رہتا ہے، جس سے ان کی نفسیاتی قوتِ مدافعت جواب دے جاتی ہے۔ معروف ماہرِ نفسیات ایرک ایرکسن (Erik Erikson) نے انسانی زندگی کے اس دورِ شباب کے حوالے سے ایک مسلمہ حقیقت بیان کی ہے:

"The young adult must develop intimate relationships or suffer feelings of isolation".

"نوجوان کو قریبی اور گہرے (جذباتی) تعلقات استوار کرنے چاہئیں، بصورت دیگر وہ شدید تنہائی کے احساس کا شکار ہو جاتا ہے۔"[15]

تنہائی کا یہ احساس محض اکیلے پن کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک مستقل کلینیکل ڈپریشن (Clinical Depression) اور اینگزائٹی (Anxiety) کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں مستقبل کے اندیشوں میں گھرے رہتے ہیں۔ انہیں ہر وقت یہ خوف لاحق رہتا ہے کہ شاید وہ زندگی بھر کے لیے اکیلے رہ جائیں گے یا ان کی نسل آگے نہیں بڑھ سکے گی۔ اس مسلسل ذہنی تناؤ کے باعث دماغ میں کارٹیسول (Cortisol) نامی ہارمون کی سطح بڑھ جاتی ہے، جو ان کی فکری یکسوئی اور تخلیقی صلاحیتوں کو دیمک کی طرح چاٹ لیتی ہے۔

امام ابو حامد الغزالی نے انسانی نفس کی اس پیچیدگی کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نفس ہر وقت کی سنجیدگی اور محنت سے اکتا جاتا ہے، اسے ایک ایسی راحت کی ضرورت ہوتی ہے جو دل کی تھکاوٹ کو دور کر کے اسے دوبارہ فرائضِ بندگی کے لیے مضبوط کر دے، اور یہ راحت شریکِ حیات کے ساتھ انسیت سے ہی حاصل ہوتی ہے[16]۔ جب یہ الٰہی سکون میسر نہیں آتا تو دل و دماغ پر ایک عجیب سی ویرانی اور مایوسی طاری ہو جاتی ہے۔ مرزا اسد اللہ خان غالب نے اس باطنی گھٹن اور اضطراب کی منظر کشی کچھ یوں کی ہے:

رات دن گردش میں ہیں سات آسمان
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا[17]

اس غیر فطری تاخیر کے شکار نوجوان اپنی ہی ذات سے بیگانہ ہو جاتے ہیں۔ ان کے مزاج میں چڑچڑاپن اور غصہ در آتا ہے۔ وہ اپنی محرومیوں کا غصہ اپنے والدین یا دیگر اہلِ خانہ پر نکالنے لگتے ہیں، جس سے گھر کا پر سکون ماحول بھی کشیدگی کی نذر ہو جاتا ہے۔ مقاصدِ شریعت کے تناظر میں یہ صورتحال 'حفظِ عقل' اور 'حفظِ نفس' کے سراسر منافی ہے، کیونکہ ایک بیمار اور مضطرب ذہن کبھی بھی ایک صالح معاشرے کی تعمیر میں حصہ نہیں لے سکتا۔

معاشرتی دباؤ اور مجرد افراد کی تنقیص

انفرادی اور باطنی کشمکش کے ساتھ ساتھ نوجوانوں کو جس دوسرے اور زیادہ سفاک محاذ کا سامنا کرنا پڑتا ہے، وہ معاشرے کے طعن و تشنیع اور تضحیک آمیز رویے ہیں۔ ہمارے مشرقی اور نیم روایتی معاشروں میں ازدواجی حیثیت (Marital Status) کو انسان کی کامیابی، وقار اور سماجی قبولیت کا حتمی پیمانہ تصور کر لیا گیا ہے۔ جب کوئی نوجوان معاشی بحران، بے روزگاری یا مناسب رشتہ نہ ملنے کی وجہ سے شادی کے مروجہ عمرانی معیار سے تجاوز کر جاتا ہے، تو معاشرہ اس کی مجبوریوں کو سمجھنے کے بجائے اسے مجرم بنا کر کٹہرے میں کھڑا کر دیتا ہے۔

عمرانیات اور سماجی علوم کی اصطلاح میں اسے تجرد پر مبنی سماجی امتیاز (Singlism) کہا جاتا ہے۔ رشتہ داروں کی محافل، عیدین کے اجتماعات اور خاندانی تقریبات ان نوجوانوں کے لیے ایک عقوبت خانہ بن جاتی ہیں۔ ان محفلوں میں دانستہ یا نادانستہ طور پر چبھتے ہوئے سوالات پوچھے جاتے ہیں، اور بظاہر ہمدردی کے لبادے میں ان کی عزتِ نفس کو چھلنی کیا جاتا ہے۔ یہ سماجی رویہ خاص طور پر خواتین کے حق میں انتہائی استحصالی اور ظالمانہ شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پاکستانی معاشرے کے تناظر میں کی گئی ایک جدید تحقیق اس تلخ حقیقت کو یوں بیان کرتی ہے:

"Unmarried women in Pakistani culture are not only socially isolated but are continuously subjected to skeptical and sarcastic attitudes, which severely compromise their psychological survival and instil a chronic sense of alienation".

"پاکستانی ثقافت میں طویل عرصے تک غیر شادی شدہ رہنے والی خواتین کو نہ صرف یہ کہ سماجی طور پر الگ تھلگ کر دیا جاتا ہے، بلکہ ان کی شخصیت کے بارے میں مسلسل شکوک و شبہات اور طنز آمیز رویے ان کی نفسیاتی بقا کو خطرے میں ڈال دیتے ہیں، جس سے ان کے اندر دائمی بیگانگی جنم لیتی ہے۔"[18]

شریعتِ مطہرہ نے ہر انسان کی عزتِ نفس اور تکریم کو بنیادی حق تسلیم کیا ہے اور کسی بھی انسان کی دل آزاری یا اسے کمتر سمجھنے کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔ قرآنِ مجید کا واضح فرمان ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ

"اے ایمان والو! کوئی قوم کسی دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے، ہو سکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں، اور اپنے لوگوں کو طعنہ نہ دو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو۔"[19]

امام ابو عبداللہ القرطبی اس آیت کے تحت رقمطراز ہیں کہ "لمز" (طعنہ دینے) سے مراد کسی کے ایسے عیوب یا حالات کو اچھالنا ہے جو اس کے اپنے اختیار میں نہ ہوں، اور ایسا کرنا معاشرتی اخوت کے وجود کو زہر آلود کر دیتا ہے[20]۔ شادی میں تاخیر تقدیرِ الٰہی یا معاشی حالات کا جبر ہوتی ہے، اس پر تمسخر اڑانا یا طعنے دینا صریحاً ظلم ہے۔

بار بار رشتوں کے مسترد ہونے اور معاشرے کی اس تنقیص کے باعث نوجوانوں میں احساسِ کمتری جڑ پکڑ لیتا ہے۔ وہ اپنی جسمانی ساخت، رنگت یا معاشی حیثیت سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ یہ احساس انہیں سماجی تقریبات سے کٹ جانے پر مجبور کر دیتا ہے۔ احمد ندیم قاسمی کا یہ شعر معاشرے کے اسی بے رحم اور سفاک رویے کی غمازی کرتا ہے:

عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہلِ وطن
یہ الگ بات کہ دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ[21]

خاندان جو کہ ایک پناہ گاہ تھا، وہ بھی جب ملامت کا مرکز بن جائے تو انسان اپنے ہی وجود سے بیزار ہو جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی تکلیف سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں [22]۔ معاشرے کے یہ زہریلے رویے اس نبوی معیار کی صریح خلاف ورزی ہیں، جو نوجوان نسل کو ایک نہ ختم ہونے والے کرب میں مبتلا کر رہے ہیں۔

جنسی تسکین کی راہ میں حائل رکاوٹیں اور اخلاقی انحطاط

انسانی جسم میں موجود جنسی توانائی ایک ایسا طاقتور اور غیر اختیاری بہاؤ ہے جسے صرف حلال اور پاکیزہ راستوں ہی سے منظم کیا جا سکتا ہے۔ اسلام نے اس جبلت کو کچلنے کے بجائے اس کی تہذیب کی ہے اور نکاح کو اس کا واحد شرعی مخرج قرار دیا ہے۔ جب مادی جکڑ بندیوں، بھاری جہیز، اور تعلیمی طوالت کے نام پر شادی کے حلال راستے کو مسدود کر دیا جاتا ہے، تو یہ دبی ہوئی جنسی خواہش اپنا راستہ حرام کی پگڈنڈیوں پر تلاش کرنے لگتی ہے۔

موجودہ ڈیجیٹل دور میں جہاں ایک طرف شادی کو ناممکن حد تک مشکل بنا دیا گیا ہے، وہیں دوسری طرف انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے ذریعے فحاشی اور گناہ تک رسائی انتہائی سستی اور آسان ہو چکی ہے۔ طویل عرصے تک جنسی محرومی کا شکار نوجوان اپنے اس باطنی ہیجان کو کم کرنے کے لیے پورنوگرافی، سائبر سیکس اور خفیہ غیر اخلاقی تعلقات کا سہارا لیتے ہیں۔ علامہ ابن قیم الجوزیہ نے انسانی قلب میں پیدا ہونے والے ان خطرناک میلانات کے حوالے سے صدیوں پہلے متنبہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ جب دل کو حلال نکاح کے ذریعے اطمینان میسر نہیں آتا، تو وہ لامحالہ حرام کی طرف جھانکتا ہے اور شیطانی وسوسے عقل و خرد کو تباہ کر دیتے ہیں [23]۔

یہ اخلاقی انحراف نوجوان کے اندر ایک گہرا احساسِ جرم پیدا کرتا ہے۔ وہ ایک طرف اپنے ایمان اور کردار کو بچانا چاہتا ہے اور دوسری طرف حیاتیاتی ہیجان کے سامنے بے بس ہو جاتا ہے۔ اس فکری اور روحانی کشمکش پر علامہ محمد اقبال کا یہ شعر پوری طرح صادق آتا ہے:

خرد نے کہہ بھی دیا لاالہٰ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں [24]

شریعت کا یہ اصول ہے کہ جب کسی فعل کو حرام کیا جاتا ہے تو اس کے قریب لے جانے والے تمام اسباب و محرکات کو بھی ممنوع قرار دیا جاتا ہے۔ قرآنِ مجید میں بدکاری کے حوالے سے واضح حکم موجود ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ ۖ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا

"اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، بے شک وہ بے حیائی ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے۔" [25]

اس آیت میں "قریب بھی نہ جاؤ" کا اسلوب اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ زنا کے اسباب اور محرکات سے بچنا بھی فرض ہے۔ جب معاشرہ نکاح کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرتا ہے، تو وہ عملاً نوجوانوں کو اسی برے راستے کے قریب دھکیل رہا ہوتا ہے۔ مقاصدِ شریعت میں 'حفظِ دین' کا تقاضا ہے کہ انسان کے ایمان کو ہر قسم کے فتنوں سے بچایا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسی خطرے کو بھانپتے ہوئے سرپرستوں کو ایک سخت وعید سنائی تھی:

إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوهُ، إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ

"جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص نکاح کا پیغام لے کر آئے جس کے دین اور اخلاق سے تم مطمئن ہو، تو اس سے نکاح کر دو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں بہت بڑا فتنہ اور وسیع فساد برپا ہو جائے گا۔" [26]

یہاں 'فسادِ عریض' سے مراد وہی اخلاقی گراوٹ، آزادانہ جنسی تعلقات، اور حیا کا زوال ہے جس کا سامنا آج ہماری نوجوان نسل کر رہی ہے۔ جب حلال راستے پر پہرے بٹھا دیے جائیں، تو عفت و پاکدامنی کا دامن داغدار ہونا شروع ہو جاتا ہے، جو کسی بھی اسلامی معاشرے کے تمدنی اور روحانی زوال کا نقطہِ آغاز ہے۔

خاندانی رسوم، جہیز اور ذات پات کے بتوں کا محاکمہ

اسلامی نظامِ حیات میں نکاح کی اصل روح اس کی سادگی، وقار اور فریقین کے مابین بغیر کسی مادی طمع کے پاکیزہ رشتے کا قیام ہے۔ برصغیر پاک و ہند کے مخصوص تاریخی اور ثقافتی پس منظر نے مسلمانوں کی معاشرت میں کئی ایسی جاہلانہ رسوم کو داخل کر دیا ہے جن کا شریعتِ اسلامیہ سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ہندومت کے طویل سماجی اختلاط کے زیرِ اثر ہمارے عائلی نظام نے کچھ ایسے غیر مرئی بت تراش لیے ہیں جنہوں نے نکاح جیسے فطری اور آسان عمل کو ایک کٹھن مالیاتی اور طبقاتی آزمائش میں تبدیل کر دیا ہے۔

ان مسلط کردہ رکاوٹوں میں سب سے ہولناک اور ظالمانہ رسم "جہیز" کی ہے۔ قدیم ہندوستانی تہذیب میں چونکہ بیٹی کو باپ کی وراثت میں کوئی قانونی حق حاصل نہیں تھا، اس لیے رخصتی کے وقت اسے کچھ مال و اسباب دے کر فارغ کر دیا جاتا تھا۔ اسلام نے ساڑھے چودہ سو سال قبل عورت کو وراثت کا مستقل حقدار بنایا، مگر برصغیر کے مسلمانوں نے شریعت کے وراثتی حق کو تو دبا لیا اور جہیز کی اس مشرکانہ رسم کو اپنی نام نہاد خاندانی عزت کا معیار بنا لیا۔ لڑکی کے والدین پر گاڑی، فرنیچر، برقی آلات اور بھاری نقدی کا مطالبہ دراصل ایک کھلی معاشی بلیک میلنگ ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی اس سماجی ناسور کی جڑیں کاٹتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جہیز کے نام پر جو کچھ لڑکی والوں سے جبراً یا معاشرتی دباؤ کے تحت وصول کیا جاتا ہے، وہ صریحاً حرام اور رشوت کے زمرے میں آتا ہے[27]۔

IEER
Institute for Excellence in Education & Research

شریعت نے مرد پر عورت کی تکریم کے لیے "مہر" کو لازم کیا تھا، جسے خوش دلی کا عطیہ قرار دیا گیا۔ قرآنِ مجید کا واضح اسلوب ہے:

وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً

"اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے ادا کیا کرو۔"[28]

ہمارے معاشرے نے اس قرآنی اصول کے ساتھ بھی دوہرا رویہ اختیار کیا ہے۔ مہر کو عورت کے معاشی تحفظ یا تکریم کے بجائے خاندانی وقار کی علامت سمجھ لیا گیا ہے۔ لاکھوں کروڑوں روپے کا مہر محض نکاح نامے کی زینت بننے کے لیے لکھوایا جاتا ہے، جسے ادا کرنے کی نیت سرے سے مفقود ہوتی ہے۔ یہ غیر حقیقت پسندانہ مطالبات لڑکے کو ایک ایسے معاشی خوف میں مبتلا کر دیتے ہیں جس کے باعث وہ شادی سے ہی کترانے لگتا ہے۔

اسی طرح "ذات پات" اور "برادری ازم" کا جاہلانہ تعصب نوجوانوں کی شادیوں میں تاخیر کی ایک بہت بڑی وجہ ہے۔ والدین اپنی جھوٹی انا کی تسکین کے لیے اپنی ہی برادری میں رشتہ کرنے پر بضد رہتے ہیں۔ اگر کوئی باکردار اور دیندار رشتہ کسی دوسری ذات سے آ جائے، تو اسے محض خاندانی لیبل نہ ہونے کی وجہ سے حقارت سے ٹھکرا دیا جاتا ہے۔ اسلام نے اس نسلی تفاخر کو جڑ سے اکھاڑ دیا تھا۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

"اے لوگو! بیشک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہے، بیشک اللہ خوب جاننے والا، خبر دار ہے۔"[29]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان جاہلی بتوں کو اپنے ہاتھوں سے توڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن سیدہ زینب بنتِ جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا، جو کہ قریش کی ایک معزز ترین خاتون تھیں، ان کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کروا کر امت کو یہ پیغام دیا کہ اصل کفو (برابری) تقویٰ اور اخلاق کی ہے، خون اور نسل کی نہیں۔ علامہ محمد اقبال نے امت کو اسی جاہلی تقسیم سے نکالنے کے لیے ایک آفاقی پیغام دیا تھا:

بتانِ رنگ وخوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی[30]

والدین کی طرف سے مسلط کردہ ان رسومات، مادی مطالبات اور طبقاتی غرور کے نتیجے میں لاکھوں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اپنے گھروں میں بیٹھے عمر کی ان حدود کو چھو رہے ہیں جہاں ان کی جسمانی اور نفسیاتی صحت مکمل طور پر تباہ ہو چکی ہوتی ہے۔ یہ سماجی جبر شریعت کے ان تمام مقاصد سے براہِ راست متصادم ہے جن کی حفاظت اسلامی ریاست اور معاشرے کی اولین ذمہ داری ہے۔

ضروریاتِ خمسہ (دین، جان، عقل، نسل، مال) کی پامالی

اسلامی فقہ کا مکمل ڈھانچہ انسان کی دنیاوی اور اخروی فلاح کے گرد گھومتا ہے۔ علمائے اصول، بالخصوص امام ابو اسحاق الشاطبی نے انسانی فلاح کو پانچ بنیادی اصولوں میں مقید کیا ہے، جنہیں 'ضروریاتِ خمسہ' یا مقاصدِ شریعت کہا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ شریعت کی تمام تر تکالیف اور احکامات کا حتمی ہدف انسان کے دین، جان (نفس)، عقل، نسل اور مال کی حفاظت کرنا ہے[31]۔ نکاح کا ادارہ ان پانچوں مقاصد کے عملی تحفظ کا ایک متحرک نظام ہے۔ جب مروجہ سماجی و معاشی رویوں کی وجہ سے شادی کا عمل التواء کا شکار ہوتا ہے، تو یہ پانچوں ستون ایک ساتھ لرزنے لگتے ہیں۔

"حفظِ دین" کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ انسان کو ایسے ماحول میں رکھا جائے جہاں وہ گناہوں اور شیطانی ترغیبات سے محفوظ رہ سکے۔ جب معاشرہ نکاح کو مشکل بناتا ہے، تو جوانی کی بے پناہ جنسی توانائی حلال راستے نہ پا کر ناجائز راستوں (پورنو گرافی، آزادانہ اختلاط، اور زنا) کی طرف بہہ نکلتی ہے۔ انسان کا دین، اس کی حیا اور اس کی باطنی پاکیزگی تار تار ہو جاتی ہے۔ امام ابو حامد الغزالی انسان کے ایمانی وجود کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت انسان کی سب سے بڑی ہلاکت خیز بیماریاں ہیں، اور نکاح ان دونوں میں سے ایک بڑی شہوت کو اعتدال پر لا کر انسان کے نصف دین کو محفوظ کر دیتا ہے[32]۔

اس کے متوازی، "حفظِ نفس" اور "حفظِ عقل" کا مقصد انسان کی جسمانی بقا اور ذہنی توازن کو برقرار رکھنا ہے۔ نفسیات کے معروف محقق ابراہم میسلو (Maslow) نے انسانی ضروریات کی درجہ بندی میں محبت اور وابستگی کو ایک ناگزیر انسانی ضرورت قرار دیا ہے:

"The thwarting of these needs is the most commonly found core in cases of maladjustment and more severe psychopathology".

"ان (محبت اور وابستگی کی) ضروریات کی راہ میں رکاوٹ ڈالنا، عدم مطابقت اور شدید نوعیت کی نفسیاتی بیماریوں کی سب سے عام اور بنیادی وجہ ہے۔"[33]

جب نوجوان سالہا سال تک ایک تنہا اور جذباتی طور پر بنجر زندگی گزارتے ہیں، تو ان کی عقل فکری انتشار کا شکار ہو جاتی ہے۔ مسلسل ذہنی دباؤ اور احساسِ کمتری ان کے اندر خود کشی کے رجحانات پیدا کرتے ہیں، جو حفظِ نفس کے صریح خلاف ہے۔ ان کی فکری یکسوئی چھن جاتی ہے اور وہ اپنے تعلیمی و پیشہ ورانہ کاموں میں وہ کارکردگی نہیں دکھا پاتے جس کی ان سے توقع کی جاتی ہے۔

"حفظِ نسل" کی پامالی اس المیے کا ایک اور دردناک رخ ہے۔ حیاتیاتی طور پر خواتین اور مردوں کی تولیدی صلاحیتوں کا ایک مخصوص وقت ہے۔ جب شادیاں تیس یا پینتیس سال کے بعد ہوں گی، تو بانجھ پن کی شرح میں اضافہ ہوتا ہے۔ ماؤں اور پیدا ہونے والے بچوں کی صحت پیچیدگیوں کا شکار ہوتی ہے۔ اس سے نہ صرف خاندانی تسلسل رک جاتا ہے، بلکہ امتِ مسلمہ کی وہ افرادی قوت بھی زوال پذیر ہونے لگتی ہے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فخر کا اظہار فرمایا تھا۔

جہاں تک "حفظِ مال" کا تعلق ہے، شادی کی بے جا رسومات، ولیمے اور بارات کے شاہانہ اخراجات، اور شادی ہالز کی چکا چوند نے معاشرے کو معاشی طور پر دیوالیہ کر دیا ہے۔ وہ مال جو کسی نوجوان جوڑے کے گھر کے قیام، ان کی تعلیم یا کسی پیداواری معاشی سرگرمی میں استعمال ہونا چاہیے تھا، اسے محض چند گھنٹوں کی جھوٹی سماجی شان و شوکت کے لیے جلا کر راکھ کر دیا جاتا ہے۔ میر تقی میر نے اس ظاہری اور کھوکھلی نمائش پر کیا خوب تبصرہ کیا ہے:

دکھائی دیے یوں کہ بے خود کیا
ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے [34]

مادی حرص نے انسان کو اس کی اپنی فطرت اور وجود سے ہی جدا کر دیا ہے۔ مقاصدِ شریعت کا تقاضا ہے کہ انسان کی ان پانچوں ضروریات کو ہر قسم کے خطرات سے بچایا جائے۔ شادی میں تاخیر کی شکل میں پیدا ہونے والا یہ عمرانی اور نفسیاتی بگاڑ دراصل شریعت کے اس پورے الٰہی ڈھانچے سے بغاوت ہے، جس کا حتمی نتیجہ معاشرے کی فکری، اخلاقی اور تمدنی موت کے سوا کچھ نہیں۔

سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی روشنی میں تسہیلِ نکاح

انسانیت کو درپیش پیچیدہ ترین سماجی اور نفسیاتی مسائل کا حل اسی اسوۂ حسنہ میں پنہاں ہے جسے رب العزت نے رہتی دنیا تک کے لیے مشعلِ راہ بنایا ہے۔ موجودہ دور کے مادی اور سرمایہ دارانہ نظام نے نکاح کو ایک ایسا کٹھن مالیاتی منصوبہ بنا دیا ہے جس کے حصول کے لیے نوجوانوں کو اپنی زندگی کے بہترین سال اور ذہنی سکون قربان کرنا پڑتا ہے۔ اس معاشی جبر اور سماجی گھٹن کے تاریک ماحول میں سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم ایک ایسا روشن اور عملی ماڈل پیش کرتی ہے جو نکاح کو مادیت کی زنجیروں سے آزاد کر کے خالصتاً ایک روحانی اور فطری رشتے کے طور پر استوار کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے اقوال اور افعال کے ذریعے جس معاشرے کی بنیاد رکھی، اس میں عفت و پاکدامنی کا حصول اتنا سہل تھا کہ غریب سے غریب نوجوان بھی بنا کسی نفسیاتی دباؤ یا احساسِ کمتری کے خاندانی زندگی کا آغاز کر سکتا تھا۔

مادی دور کا سب سے بڑا نفسیاتی عارضہ "مستقبل کا معاشی خوف" ہے۔ نوجوانوں کے ذہنوں میں یہ وہم بٹھا دیا گیا ہے کہ جب تک ان کے پاس ذاتی مکان، پرکشش بینک بیلنس اور ایک شاندار کیریئر نہ ہو، وہ ازدواجی ذمہ داریاں اٹھانے کے اہل نہیں ہیں۔ یہ خوف ان کی فکری صلاحیتوں کو مفلوج کر دیتا ہے اور وہ شادی کو ایک لامتناہی التواء میں ڈال دیتے ہیں۔ شریعتِ مطہرہ نے اس معاشی واہمے کا علاج توکل علی اللہ اور منشائے الٰہی پر کامل یقین کے ذریعے کیا ہے۔ قرآنِ مجید نے اس خوف کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے ایک نہایت واضح اور دوٹوک الٰہی ضمانت فراہم کی ہے:

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

"اور تم میں سے جو بے نکاح ہوں اور تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو نیک ہوں، ان کے نکاح کر دو۔ اگر وہ محتاج ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا، اور اللہ بڑی وسعت والا، خوب جاننے والا ہے۔"[35]

اس قرآنی فرمان کی روشنی میں معروف مفسر حافظ عماد الدین ابن کثیر لکھتے ہیں کہ مادی عقل پرست یہ خیال کرتے ہیں کہ نکاح سے معاشی بوجھ بڑھتا ہے، جبکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے، نکاح دراصل اللہ کی اطاعت کا ذریعہ ہے اور جو انسان اطاعتِ الٰہی میں قدم اٹھاتا ہے، قدرتِ خداوندی اس کی معیشت کی کفیل ہو جاتی ہے[36]۔ جب ایک نوجوان اس الٰہی وعدے پر یقینِ کامل رکھتا ہے، تو اس کے اعصاب پر سوار معاشی دباؤ پانی کے بلبلے کی طرح بیٹھ جاتا ہے۔ اسے یہ طمانیت حاصل ہو جاتی ہے کہ رزق کا مالک کوئی ظاہری مادی نظام نہیں بلکہ وہ ربِ کائنات ہے جس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس توکل اور غیبی امداد کے تصور کو مزید نکھارتے ہوئے ان افراد کی نشاندہی فرمائی جن کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثَلَاثَةٌ حَقٌّ عَلَى اللَّهِ عَوْنُهُمْ: الْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَالْمُكَاتَبُ الَّذِي يُرِيدُ الْأَدَاءَ، وَالنَّاكِحُ الَّذِي يُرِيدُ الْعَفَافَ

"تین شخص ایسے ہیں جن کی مدد کرنا اللہ پر حق ہے: اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا، وہ مکاتب غلام جو اپنی آزادی کی قیمت ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، اور وہ نکاح کرنے والا جو پاکدامنی کا ارادہ رکھتا ہو۔"[37]

نوجوان کے باطن میں یہ احساس ایک زبردست نفسیاتی ڈھال کا کام کرتا ہے۔ جب اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عفت اور حیا کی حفاظت کے لیے جو قدم اٹھا رہا ہے اس میں وہ تنہا نہیں، بلکہ اللہ کی نصرت اس کے شانہ بشانہ ہے، تو وہ معاشرے کی طرف سے مسلط کردہ مادی معیارات کو خاطر میں نہیں لاتا۔

IEER
Institute for Excellence in Education & Research

سیرتِ طیبہ میں ہمیں نکاح کی تسہیل کے ایسے حیران کن اور انقلابی مناظر ملتے ہیں جو آج کے صارفیت پسند معاشرے کے لیے ایک کھلا چیلنج ہیں۔ عہدِ نبوی میں مہر کی مقدار اور شادی کے اخراجات کو اتنا کم اور سادہ رکھا گیا کہ کوئی بھی فرد احساسِ محرومی کا شکار نہ ہو۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک خاتون سے نکاح کی خواہش کا اظہار کیا، لیکن ان کے پاس مہر میں دینے کے لیے کوئی مادی شے موجود نہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کی معاشی تنگی کو نکاح کی راہ میں رکاوٹ نہیں بننے دیا بلکہ ان کے لیے آسانی کا راستہ نکالتے ہوئے فرمایا:

التَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ

"تلاش کرو، خواہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔"[38]

جب وہ صحابی لوہے کی انگوٹھی لانے سے بھی قاصر رہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کو یاد قرآنی سورتوں کی تعلیم کو ہی مہر قرار دے کر ان کا نکاح پڑھا دیا۔ یہ واقعہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ شریعتِ اسلامیہ کی نظر میں دو انسانوں کو گناہ سے بچا کر ایک پاکیزہ رشتے میں جوڑنا دنیا کے تمام مادی خزانوں سے زیادہ محترم اور مقدم ہے۔

آج کا معاشرہ خاندانی وقار اور جھوٹی انا کی تسکین کے لیے ان سنتوں کو پسِ پشت ڈال کر صدیوں پرانی فرسودہ روایات سے چمٹا ہوا ہے۔ علامہ محمد اقبال نے قوموں کے اس جمود اور پرانی رسموں سے اندھی عقیدت پر گہری چوٹ کی ہے:

آئینِ نو سے ڈرنا، طرزِ کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں[39]

سادگی اور قناعت کا سب سے عظیم اور دل آویز نمونہ کائنات کی سب سے محترم ہستیوں، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح میں نظر آتا ہے۔ کائنات کے سب سے بڑے اور کامل رہنما صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی لختِ جگر کی رخصتی کے وقت کوئی شاہانہ جہیز یا دنیاوی مال و اسباب کا انبار نہیں لگایا۔ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی ایک زرہ فروخت کر کے جو چند درہم حاصل کیے، انہی سے ایک چارپائی، چمڑے کا ایک گدا جس میں کھجور کی چھال بھری تھی، مٹی کے دو گھڑے اور ایک چکی کا انتظام کیا گیا[40]۔ یہ وہ الہامی ماڈل ہے جس نے نکاح کو مالیاتی نمائش کے بجائے ایک روحانی بندھن میں تبدیل کر دیا تھا۔

جدید نفسیاتی اور سماجی علوم بھی اب اس حقیقت کو تسلیم کر رہے ہیں کہ جب سماج ازدواجی رشتوں کو غیر ضروری مادی شرائط میں جکڑ دیتا ہے، تو اس کا براہِ راست اثر نوجوانوں کی ذہنی صحت پر پڑتا ہے۔ مشہور ماہرینِ عمرانیات ایڈرین فریچ اور کرسٹی ولیمز اپنی تحقیق میں لکھتی ہیں:

"Delayed transition to marriage is strongly associated with an increased risk of depressive symptoms and emotional distress among young adults".

"نوجوانوں میں شادی کی جانب منتقلی میں تاخیر کا براہِ راست اور گہرا تعلق ان کے اندر ڈپریشن کی علامات اور جذباتی اضطراب کے بڑھتے ہوئے خطرے سے ہے۔"[41]

اس سائنسی تصدیق نے واضح کر دیا ہے کہ انسانی وجود کو مادی آسائشوں سے زیادہ اس جذباتی تحفظ کی ضرورت ہوتی ہے جو ایک فطری رشتے سے حاصل ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس جذباتی تحفظ کو یقینی بنانے اور نکاح کو ہر شخص کی پہنچ میں لانے کے لیے ایک ابدی قانون وضع فرمایا تھا:

إِنَّ أَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُ مُؤْنَةً

"بے شک سب سے زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جس میں اخراجات (اور بوجھ) سب سے کم ہوں۔"[42]

IEER
Institute for Excellence in Education & Research

اس نبوی اصول کا نفاذ نوجوانوں کے لیے ایک زبردست نفسیاتی علاج ہے۔ جب معاشرہ سادگی کو اپنائے گا اور شادی کو ایک پروقار مگر کم خرچ تقریب تک محدود کر دے گا، تو نوجوانوں کے سروں پر منڈلانے والی وہ "پرفارمنس اینگزائٹی" مکمل طور پر ختم ہو جائے گی جو انہیں لاکھوں روپے کے اخراجات پورے کرنے کے خوف سے لاحق ہوتی ہے۔ وہ قرضوں کے بوجھ، جہیز کی لعنت اور مہر کی ناممکن شرطوں سے آزاد ہو کر ایک صحت مند، پرسکون اور مقاصدِ شریعت کے عین مطابق خاندانی زندگی کا آغاز کر سکیں گے۔ سیرتِ طیبہ کا یہ عملی ماڈل ہی وہ واحد تریاق ہے جو آج کی نوجوان نسل کو مادیت کے زہر اور نفسیاتی ٹوٹ پھوٹ سے شفا بخش سکتا ہے۔

نتائج بحث

زیرِ نظر تحقیقی مقالے میں مقاصدِ شریعت کی روشنی میں شادی میں تاخیر اور نوجوانوں پر مرتب ہونے والے اس کے نفسیاتی اثرات کا گہرائی سے جائزہ لیا گیا ہے۔ اس تفصیلی بحث و تمحیص کے بعد جو حقائق اور نتائج روزِ روشن کی طرح عیاں ہو کر سامنے آئے ہیں، انہیں درج ذیل نکات میں سمیٹا جا سکتا ہے:

- شادی میں غیر فطری تاخیر نوجوان نسل کو شدید ذہنی دباؤ، احساسِ تنہائی اور کلینیکل ڈپریشن جیسے خطرناک نفسیاتی امراض کی طرف دھکیل رہی ہے۔
- نکاح کو مادی معیارات، بھاری جہیز اور ذات پات کی پابندیوں میں جکڑنا شریعت کے اصولِ مساوات اور تکریمِ انسانیت کے سراسر منافی ہے۔

- معاشرے کی طرف سے غیر شادی شدہ افراد پر مسلسل طعن و تشنیع ان کی خود اعتمادی کو تباہ کر دیتی ہے، جس سے وہ شدید احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں۔
- نکاح کے حلال راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرنے سے معاشرے میں فحاشی، ڈیجیٹل انحرافات اور غیر اخلاقی روابط فروغ پا رہے ہیں، جو 'حفظِ دین' اور 'حفظِ نسل' کی صریح خلاف ورزی ہے۔
- شریعت نے نکاح کو ایک انتہائی آسان اور سادہ عمل قرار دیا ہے، لہٰذا معاشی عدم استحکام کے خوف سے شادی کو التواء میں ڈالنا قرآنی تعلیمات اور تصورِ توکل کی نفی ہے۔
- مقاصدِ شریعت کے پانچوں ستون (دین، جان، عقل، نسل، مال) کی حقیقی حفاظت ایک بروقت، سادہ اور مستحکم خاندانی نظام کے قیام ہی سے ممکن ہے۔

سفارشات و تجاویز

اس سنگین معاشرتی اور نفسیاتی بحران کے دیرپا اور پائیدار حل کے لیے مقاصدِ شریعت اور عصرِ حاضر کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے درج ذیل عملی تجاویز اور سفارشات پیش کی جاتی ہیں:

- ریاستی سطح پر جہیز کی ممانعت اور شادی کے بے جا اخراجات پر سخت قانون سازی کی جائے اور متعلقہ محکموں کے ذریعے اس کا مؤثر نفاذ یقینی بنایا جائے۔
- حکومت اور مالیاتی ادارے نوجوانوں کو معاشی دباؤ سے نکالنے کے لیے بلاسود عائلی قرضے (قرضِ حسنہ) اور "نکاح فنڈز" کا باقاعدہ اجراء کریں۔
- والدین کو چاہیے کہ وہ رشتہ طے کرتے وقت برادری اور مادی دولت کے بجائے لڑکے اور لڑکی کی دین داری، تقویٰ اور حسنِ اخلاق کو حتمی معیار بنائیں۔
- مساجد کے ائمہ اور منبر و محراب کے ذریعے سادگیِ نکاح اور سنتِ نبوی کے ماڈل کو فروغ دینے کے لیے منظم فکری و شعوری مہمات چلائی جائیں۔
- جامعات اور ضلعی سطح پر نفسیاتی کونسلنگ سینٹرز قائم کیے جائیں جہاں نوجوانوں کو شادی کے خوف اور دیگر ذہنی الجھنوں سے نکالنے کے لیے شرعی و نفسیاتی رہنمائی فراہم کی جائے۔
- معاشرے کے مخیر حضرات اور فلاحی تنظیمیں غریب اور مستحق گھرانوں کے لیے باوقار اور سادہ اجتماعی شادیوں کا اہتمام کریں تاکہ مالی بوجھ کم ہو سکے۔
- تعلیمی نصاب میں خاندانی زندگی اور ازدواجی حقوق و فرائض کے مضامین شامل کیے جائیں تاکہ نوجوانوں کی اخلاقی اور نفسیاتی تربیت بروقت ہو سکے۔

حوالہ جات

[1] Ar Rum 30:21

[2] An-Nur 24:32

[3] الروم،21:30

[4] ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب (بیروت: دار صادر، 1414ھ)، جلد4، صفحہ 14

[5] اقبال، علامہ محمد، بانگِ درا، کلیاتِ اقبال (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 1990ء)، صفحہ 146

[6] الشاطبی، ابو اسحاق ابراہیم بن موسی، الموافقات (قاہرہ: دار ابن عفان، 1997ء)، جلد2، صفحہ 18

[7] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری (بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ)، جلد 7، صفحہ 3، کتاب النکاح، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج، حدیث:5065

[8] الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد، احیاء علوم الدین (بیروت: دار المعرفۃ، 1983ء)، جلد2، صفحہ 22

[9] النور،32:24

[10] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1998ء)، جلد6، صفحہ 52

[11] Erikson, Erik H., Childhood and Society (New York: W. W. Norton & Company, 1993), 263

[12] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری (بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ)، جلد7، صفحہ 9، کتاب النکاح، باب الأکفاء فی الدین، حدیث:5090

[13] غالب، مرزا اسد اللہ خان، دیوانِ غالب (لاہور: سنگِ میل پبلیکیشنز، 2000ء)، صفحہ 112

[14] البقرہ،187:2

[15] Erikson, Erik H., Childhood and Society (New York: W. W. Norton & Company, 1993), 263

[16] الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد، احیاء علوم الدین (بیروت: دار المعرفۃ، 1983ء)، جلد2، صفحہ 28

[17] غالب، مرزا اسد اللہ خان، دیوانِ غالب (لاہور: سنگِ میل پبلیکیشنز، 2000ء)، صفحہ 45

[18] Ahmad, I., Khan, A., and Khan, S. R., "Psychosocial Experiences of Spinster Women in Pakistan," Research Mosaic 5, no. 4 (2025): 33

[19] الحجرات،11:49

[20] القرطبی، محمد بن احمد، الجامع لأحکام القرآن (قاہرہ: دار الکتب المصریہ، 1964ء)، جلد16، صفحہ 326

[21] قاسمی، احمد ندیم، جلال و جمال (لاہور: سنگِ میل پبلیکیشنز، 1995ء)، صفحہ 89

[22] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری (بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ)، جلد1، صفحہ 11، کتاب الایمان، حدیث:10

[23] ابن قیم الجوزیہ، محمد بن ابی بکر، روضۃ المحبین ونزہۃ المشتاقین (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1983ء)، صفحہ 212

IEER
Institute for Excellence in Education & Research

[24]اقبال، علامہ محمد، ضربِ کلیم، کلیاتِ اقبال(لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 1990ء)، صفحہ 561

[25]الاسراء، 32:17

[26]الترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی (بیروت: دار الغرب الاسلامی، 1998ء)، جلد 2، صفحہ 381، کتاب النکاح، باب ماجاء إذا جاءکم من ترضون دینہ فزوجوہ، حدیث: 1084

[27]تھانوی، اشرف علی، اصلاح الرسوم (کراچی: دارالاشاعت، 1999ء)، صفحہ 45

[28]النساء، 4:4

[29]الحجرات، 13:49

[30]اقبال، علامہ محمد، بانگِ درا، کلیاتِ اقبال (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 1990ء)، صفحہ 174

[31]الشاطبی، ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ، الموافقات (قاہرہ: دار ابن عفان، 1997ء)، جلد 2، صفحہ 20

[32]الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد، احیاء علوم الدین (بیروت: دار المعرفۃ، 1983ء)، جلد 3، صفحہ 79

[33] Maslow, Abraham H., Motivation and Personality (New York: Harper & Row, 1970), 43

[34]میر، میر تقی، کلیاتِ میر (لاہور: مجلس ترقی ادب، 2007ء)، صفحہ 241

[35]النور، 32:24

[36]ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1998ء)، جلد 6، صفحہ 52

[37]الترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی (بیروت: دار الغرب الاسلامی، 1998ء)، جلد 3، صفحہ 385، کتاب فضائل الجہاد، حدیث: 1655

[38]البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری (بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ)، جلد 7، صفحہ 17، کتاب النکاح، حدیث: 5121

[39]اقبال، علامہ محمد، بانگِ درا، کلیاتِ اقبال (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 1990ء)، صفحہ 261

[40]ابن الاثیر، علی بن ابی الکرم، الکامل فی التاریخ (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1987ء)، جلد 2، صفحہ 125

[41] Frech, Adrianne, and Kristi Williams, "Depression and the Psychological Benefits of Entering Marriage," Journal of Health and Social Behavior 48, no. 2 (2007): 155

[42]احمد بن حنبل، مسند الامام احمد بن حنبل (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 2001ء)، جلد 41، صفحہ 75، حدیث: 24529